اس طرح پچھلے دو خلفاء (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) کے دور میں پیش نہیں آیا، خصوصیت کے ساتھ ان اسباب اور تبدیلیوں کی بنا پر جن کی طرف اس کتاب میں اشارہ کیا گیا ہے حضرت علیؓ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کا قدم آگے نہیں بڑھا، اور مادی و سیاسی حیثیت سے بظاہر اسلامی قلمرو میں کوئی وسعت اور ترقی نہیں ہوئی، لیکن حالات کے اس اختلاف کے باوجود دیانت داری کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا محسوس کرے گا کہ ان چاروں خلفاء میں ایک ہی روح کام کر رہی تھی، ان چاروں پر ایک ہی نقطۂ نظر غالب اور حاوی تھا اور وہ اسلامی احکام کی پیروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ اتباع اور آپ کے دلی منشار کے پورا کرنے کی مخلصانہ کوشش، اپنے بارے میں انتہائی زہد و ایثار سے کام لینا، اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی خیرخواہی میں اپنے فہم و اجتہاد اور اپنے امکان و استطاعت کے بقدر کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھنا، خلافت کی جو عظیم و نازک ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، یا ان کے پیش رو خلیفہ، یا مسلمانوں نے ان کے سپرد کی تھی اس پر سختی اور مضبوطی سے قائم رہنا، اور اس کے راستہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہ کرنا، یہ وہ مشترک روح ہے جو ان چاروں خلفاء کے قالبوں میں نظر آتی ہے" اور جس کے بارے میں ان کے درمیان کوئی اصولی تضاد یا اختلاف نہیں پایا جاتا، یہی وہ روح ہے جو خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ کے اس بے لوچ رویہ میں جلوہ گر نظر آتی ہے، جو انھوں نے زکوٰۃ روکنے والوں، اور ارتداد اختیار کرنے والوں کے مقابلہ اور جیش اسامہ کے روانہ کرنے میں اختیار کیا، یہی روح حضرت عمرؓ کے زہد، اسلامی تعلیمات اور احکام کے نفاذ میں شدت، اس بارے میں کسی کی پرواہ نہ کرنے، اور امراء و عمال کے عزل و نصب میں کارفرما نظر آتی ہے، یہی روح خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ کے منصب خلافت سے دست بردار نہ ہونے، اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کا خون بہانے سے انکار کر دینے میں صاف جھلکتی ہے، جس کو خاص طور پر اس کتاب میں بہت خوبی سے نمایاں کیا گیا ہے، یہی

روح خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کے بے لچک فیصلوں، خلافت کے نبوی مزاج و منہاج، اور اس کے اصول و معیار سے انحراف کرنے والوں کے مقابلہ میں صف آرا ہونے، عمالِ سلطنت کے انتخاب، ملوکیت اور عجمی سلطنتوں کی تقلید سے مکمل احتراز، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اپنے پیش رو خلفاء کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی پر مضبوطی سے قائم رہنے، غلط مطالبوں اور مغالطوں کے سامنے قطعاً سپر انداز نہ ہونے اور اسی راہ میں جان دے دینے کے کارنامے میں صاف طور پر نظر آتی ہے، اس طرح یہ چاروں خلفاء ایک ہی صداقت کے ترجمان، ایک ہی روح کا مظہر، اور ایک ہی منزل کے مسافر نظر آتے ہیں، اور غور سے دیکھنے والے انصاف پسند کو ان میں خواہ کتنا تنوع نظر آئے (جو زندگی اور آزادی کی علامت ہے) کوئی تقابل اور تضاد نظر نہیں آئے گا۔

ان حقیقتوں کو سامنے رکھئے تو خلافت راشدہ اور خلفائے راشدین پر کتاب لکھنا، ان کو صحیح رنگ میں پیش کرنا، اور ان کے ساتھ انصاف کرنا بڑا نازک اور دشوار کام ہے یہ کام وہی انجام دے سکتا ہے جو افراط و تفریط غلو و مبالغہ اور تعصب سے پاک ہو جو اس کثرت میں وحدت کی تلاش، اور واقعات و روایات کے انبار میں حقیقت کا سرا پانے میں کامیاب ہو سکے اور ان کے کارنامے کی حقیقی عظمت کو خود دیکھ سکے اور دوسروں کو دکھا سکے، یہ مشکل کام وہ انجام نہیں دے سکتا جو صرف مادی کامیابی، فتوحات کی کثرت اور اسلامی سلطنت کی وسعت کو عظمت و کامیابی کا واحد معیار قرار دے اور نہ وہ شخص انجام دے سکتا ہے جو محض زہد و عبادت، اور علم و حکمت کو خلافت و وراثت نبویؐ کی اساس قرار دے۔

اس کے لئے وہ معتدل، اور جامع نقطۂ نظر، اور طریق فکر ضروری ہے، جو وسیع النظر اور محقق اہلِ سنت کا شعار، اور طرۂ امتیاز ہے، اس کام کے لئے قلب کی وسعت کے علاوہ نظر و مطالعہ کی وسعت بھی درکار ہے تاکہ خلافتِ راشدہ کے عہد کے نظامِ سلطنت

بقیہ دیکھو صفحہ ۳۶ پر

ایک محبِ باصفا کی رحلت

(از عتیق الرحمٰن عثمانی)

افسوس ہے ۱۸ اپریل کی سہ پہر کو مخلص محترم جناب حافظ مقبول احمد صاحب پٹنہ والوں کی وفات ہوگئی۔ مرحوم مدت مدید سے پیشاب کی نالی کے غدودوں کی اذیت ناک تکلیف میں مبتلا تھے اور معذور ہوگئے تھے۔ ہر طرح کے معالجات ہوئے مگر مرض کی شدت میں کمی نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ وقت موعود آپہونچا۔ عمر ۸۰ سال کے قریب ہوئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ حافظ صاحب مرحوم حقیقی معنی میں فرشتہ خصلت انسان تھے۔ ان کی غیر معمولی خصوصیات کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، انتہائی نیک دل، خداترس، صاحب خیر، راسخ العقیدہ، چھپ چھپ کر ضرورت مندوں اور بے سہاروں کی مدد کرنے والے۔ مجسم شرافت، مروت کے پیکر۔ مرحوم سے چالیس سال سے گہرے مخلصانہ روابط تھے۔ حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ اب ہندوستان میں ان کی واحد یادگار ان کے بھتیجے میاں اخلاص احمد صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو مرحوم کے نقوشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ زمانے کی رفتار بھی کتنی تیز ہے۔ کل کی سی بات معلوم ہوتی ہے جب ۱۹۳۳ء میں حافظ محمد اسمٰعیل صاحب جیون بخش مرحوم اور حافظ محمد ادریس صاحب جملانے مرحوم (بیڈن اسٹریٹ پان ہاؤس کلکتہ) کی تجویز و تحریک پر کلکتہ جانا ہوا تھا۔ قیام کلکتہ کا زمانہ مختلف حیثیتوں سے یادگار زمانہ ہے۔ اسی وقت کی ایک بات حافظے میں ابھر رہی ہے۔ یکسر اجنبی ماحول میں کلکتہ پہونچا تو حافظ محمد ادریس صاحب نے میرے قیام کے انتظام کو کولوٹولہ ۸۰ میں حافظ مقبول احمد صاحب ہی کے یہاں کیا تھا۔ اس سے پہلے حافظ صاحب اور ان کے والد محترم حافظ محمد اسمٰعیل صاحب پٹنہ والوں کا نام تو سنا تھا لیکن ان سے کوئی خاص تعارف نہیں تھا۔ حافظ صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی تو معلوم ہوتا تھا برسوں کے شناسا ہیں۔ وہ ۱۹۳۳ء تھا اور اب ۱۹۷۴ء ہے۔ چالیس سال سے زیادہ کی اس طویل مدت میں کیسے کیسے انقلابات آئے۔ لیل و نہار کی کیسی کیسی گردشیں دیکھیں لیکن مرحوم سے تعلق کی جو نوعیت پہلے روز قائم ہوگئی تھی اس میں سرِمو فرق نہیں آیا۔ نہ صرف یہ کہ فرق نہیں آیا بلکہ اس کی لطافتیں بڑھتی ہی گئیں۔ حافظ صاحب حلقۂ دیوبند کے رکن رکین تھے۔ اور اس نسبت سے تمام اکابر دیوبند سے غیر معمولی روحانی ربط رکھتے تھے۔ لیکن مجھے یہ ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ خلوص و شفقت کا جو نہایت عمیق تعلق مرحوم کو میرے ساتھ تھا وہ عجیب ہی تھا اور شاید اس خصوصیت میں کوئی میرا سہیم و شریک نہیں ہے۔ ۱۹۳۳ء میں مرحوم کی فرم کے کاروباری حالات نہایت ہی خستہ تھے۔ اور یہ خستگی مسلسل بڑھتی رہی تھی۔ مگر اس مشکل اور نازک وقت میں میرے آرام و آسائش کا جس طرح خیال رکھا اس کا نقشہ آج بھی آنکھوں میں گھوم رہا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد جب میرے قیام کا بندوبست مرحوم حاجی اسرار احمد صاحب کی بلڈنگ میں ہوگیا اور پھر چند ماہ کے بعد متعلقین بھی کلکتہ پہونچ گئے تو مرحوم نے انتہائی نیک شفقت آمیز انداز میں فرمایا کہ مفتی صاحب آپ جہاں کہیں بھی قیام کریں مجھے بخوشی منظور ہے۔ لیکن ایک بات طے ہے کہ کولوٹولہ ۸۰ کے جس کمرے میں آپ کا قیام رہا ہے وہ آپ ہی کا ہوگیا ہے اور مردانہ نشست ہر حالت میں یہیں رہے گی۔ چنانچہ کلکتہ کے کم و بیش پانچ سال کے تاریخی قیام میں مردانہ نشست وہی رہی۔ اور کلکتہ چھوٹنے کے بعد بھی سالانہ قیام ۸۰ ہی میں رہا۔ سالہائے گذشتہ کی طرح کلکتہ کا پروگرام بنتا تو اپریل کی ان تاریخوں میں کلکتہ جانا ہوتا۔ اور اس طرح خلوص و شفقت کے اس پیکر کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جاتی۔ مگر ادارے کے حالات کی مجبوری سے بمبئی کا سفر پیش آگیا اور کلکتہ کا سالانہ سفر اپریل میں نہ ہو سکا جس کا صدمہ ہمیشہ رہے گا۔

حافظ صاحب محترم آج دنیا میں نہیں ہیں۔ ہم بھی نہیں رہیں گے لیکن ان کی شفقتیں سینۂ قلب پر ثبت ہو گئی ہیں۔ اب ایسے کلکتہ میں جانا ہوگا جہاں نہ شیخ فیض الدین صاحب مرحوم ہیں نہ حافظ مقبول احمد صاحب مرحوم۔

شئونِ علمیہ

(انتخابِ مطالعہ)

مولوی محمد عبداللہ صاحب طارق دہلوی

اس دنیا میں جہاں بڑے بڑے فضلاء و نبلاء بستے ہیں وہیں کچھ مبتدی طلباء بھی رہتے ہیں۔ اور جہاں بامِ علم و فن کی بلند منزلوں پر بڑے بڑے وسیع النظر علماء جلوہ افروز ہیں وہیں مدارجِ علم کی کسی نچلی سیڑھی پر کچھ نیچے بھی پیر لٹکائے دریائے علم کی موجوں کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہے ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ ایک کہنہ مشق اور ماہر پیراک کی دسترس سطحِ سمندر کے جن موتیوں تک ہو، ساحلِ سمندر پر ٹخنوں ٹخنوں پانی میں کھیلنے والا بچہ بھی وہاں تک رسائی پا سکے لیکن ہاں وہ بچہ اپنے جیسے بہت سے بچوں کو کچھ رنگ برنگے گھونگے اور سیپیاں دکھا کر ضرور کچھ نہ کچھ دل چسپی کا سامان پیدا کر سکتا ہے۔ بس ایک صاحبِ ظرف بڑا پیراک اس کے موجودہ کھیل تماشے پر نظر نہیں کرتا بلکہ اس طرح اس کے سمندر سے قریب ہونے اور تھوڑی دور پانی میں جانے کے شوق پر ہمت افزائی کرتا ہے ؎

تیری نظر کے سامنے چاند بھی ہے چکور بھی
عشق کا انتخاب دیکھ کوششِ رائیگاں نہ دیکھ (ادیب بہارنپوری)

اس تمہید کے بعد ناظرین کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ مذکورہ بالا عنوان کے تحت دورانِ مطالعہ سامنے آنے والی ان خاص خاص باتوں کے پیش کرنے کا ارادہ ہے جو کسی حیثیت

سے اہم، مفید اور دلچسپ ہیں ان کا تعلق خواہ کسی بھی موضوع سے ہو سردست اس کی ایک قسط پیشِ خدمت ہے اگر یہ سلسلہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تو آئندہ بھی اس کو ہر ماہ یا کبھی ایک دو ماہ کے فاصلے سے پیش کیا جاتا رہے گا۔ واللہ ولی التوفیق۔

میں ناظرین کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اس انتخاب و اقتباس کی حیثیت کسی علمی و تحقیقی مضمون کی نہ ہوگی بلکہ برہان برادری کے چند اکابر و احباب کی ایک نیم علمی نیم تفریحی مجلس کی ہوگی اس لئے ممکن ہے کہیں انداز تحریر میں کوئی بات ایسی بھی آجائے جس میں کچھ بے تکلفی محسوس ہو جس کے لئے میں پیشگی معذرت خواہ ہوں ؎

تو اور پاسِ خاطرِ اہلِ وفا کرے
امید تو نہیں ہے مگر ہاں خدا کرے (آزاد انصاری)

(۱) ایک تفسیر جس میں ایک حرف بھی کسی سے نقل نہیں :-

ہمارے اس دور جدید کے بعض روشن خیال فضلاء کو قدیم علماء تفسیر سے ایک یہ شکایت ہے (اور ضروری نہیں کہ یہ شکایت ہر طرح اور ہر پہلو سے بے جا ہی ہو) کہ یہ حضرات بیشتر ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے گئے اور کسی نے کوئی جدت پیدا نہ کی ـــــ میرے سامنے اس وقت علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی کتاب "بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ" رکھی ہوئی ہے اس میں انھوں نے ابو امامہ محمد بن علی الدکالی المصری ابن النقاش المتوفی ۷۶۳ھ کے حالات میں ان کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے

وتفسیرا مطولا جدا التزم ان لا ینقل فیہ حرفا عن احد (ص۷۸)	اور ایک بہت ہی طویل تفسیر بھی لکھی ہے جس میں یہ التزام کیا ہے کہ کسی سے ایک حرف بھی نقل نہیں کریں گے۔

اس میں خاص بات یہ ہے کہ ایسے مشکل اور عجیب التزام کے ساتھ کسی ایک آدھ آیت یا سورۃ کی تفسیر لکھنا ہی کیا کچھ کم عجیب اور حیرت انگیز کارنامہ ہے چہ جائیکہ پورے قرآن مجید کی تفسیر

لکھ دی جائے اور مزید برآں یہ کہ یہ تفسیر کوئی مختصر سی نہیں بلکہ بقول سیوطیؒ "مطول" طویل ہے اور صرف طویل نہیں بلکہ جدّاً بھی یعنی بہت طویل ہے ـــــ اور آپ یہ نہ خیال فرمائیے کہ ہمارے دور کے جدت پسندوں کی طرح وقت کے علمائے شرع سے الگ انھوں نے اپنی کوئی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی ہوگی بلکہ اپنے دور کے اونچے اہلِ علم کا اعتماد بھی ان کو حاصل تھا حافظ ابن کثیر جیسا امام تفسیر ان کے متعلق تعریفی الفاظ بیان کرتا ہے اور مختلف فنون میں ان کی دستگاہ کا معترف ہے قال ابن کثیر کان فقیھا نحویا شاعراً واعظا له ید طولیٰ فی فنون - اور جب یہ دمشق پہنچے تو علامہ سبکی نے ان کا بہت اعزاز و اکرام کیا۔ علامہ حافظ زکی الدین المنذری جن کی کتاب الترغیب والترہیب کے انتخاب و ترجمہ (جلد دوم) میں آجکل یہ راقم سطور مصروف ہے وہ ان محمد بن علی الدکالی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر چکے ہیں

کاش آج یہ نادر تفسیر دیکھی جا سکتی۔

(۲) زمخشری کی اعتزال سے توبہ :-

علامہ زمخشری کا معتزلی ہونا اس قدر مشہور ہے کہ یہ وصف کسی اور میں شاید اتنا زیادہ ممتاز نہ ہوا اور خود زمخشری نے بھی ہمیشہ اپنے معتزلی ہونے کا اظہار بڑے فخر کے ساتھ کیا، اور میں نے جہاں تک دیکھا سنا ہے سب لوگ زمخشری کو معتزلی اور پکا معتزلی ہی سمجھتے ہیں لیکن مدارک التنزیل کی شرح الاکلیل میں ایک جگہ یہ عجیب و غریب انکشاف ملا جو کم از کم میرے لئے تو انکشاف ہی تھا کہ زمخشری نے اپنے آخر وقت میں اعتزال سے توبہ کر لی تھی اور توبہ کرنے کے بعد النصائح الصغار اور النصائح الکبار لکھیں۔ یہاں الاکلیل کی بعینہٖ عربی عبارت نقل کئے دیتا ہوں تاکہ ناظرین خود ان کے الفاظ میں یہ مضمون سمجھ لیں۔ انھوں نے یہ بات باقاعدہ حوالہ اور سند کے ساتھ لکھی ہے غالباً اس لئے کہ یہ بات غیر معروف ہے اس لئے ممکن ہے کسی کو تسلیم کرنے میں تامل ہو۔ وہ عبارت یہ ہے :-

"افاد العلامة الفهامة الآفندی دادہ جونکی فی حاشیته
علی شرح السعدی فی التصریف قال العلامة اکمل الدین
فی شرح الکشاف انه قد تاب من مذهب الاعتزال
وصنف النصائح الصغار والنصائح الکبار بعد توبته من
الاعتزال - انتهیٰ ـ"

(الاکلیل علی مدارک التنزیل ج ۴ صفحہ تفسیر سورۃ الاعراف)

ابھی غالباً اکتوبر یا نومبر ۱۹۷۳ء کی بات ہے ندوۃ المصنفین میں جناب مجیب الرحمان صاحب استاد لسانیات راج شاہی یونیورسٹی ڈھاکہ سے ملاقات ہوئی بات چیت کے دوران انھوں نے ذکر کیا کہ میں نے علامہ زمخشری پر ایک مقالہ لکھا ہے انھوں نے وہ مقالہ دکھایا بھی جو کسی ماہانہ رسالے میں شائع ہوا ہے مجھے یہ بات یاد آئی اور میں نے پوچھا کہ زمخشری کی اعتزال سے توبہ کے متعلق بھی آپ نے کچھ لکھا ہے ؟ بولے کہ نہیں، مجھے تو کہیں ملا نہیں آپ کی نظر سے کہیں گذرا ہے ؟ میں نے کہا کہ ہاں ہے اور فلاں کتاب میں ہے آپ جلد و صفحہ کا حوالہ چاہیں تو کل تکلیف فرمائیے میں گھر سے نقل کراؤں گا چنانچہ دوسرے دن یہ عبارت انھوں نے حاصل کی اور اپنے مقالے میں شامل کرلی - انھوں نے بیان کیا کہ وہ اپنے مقالات کا ایک مجموعہ شائع کررہے ہیں اس میں شاید وہ اسے بھی شائع کریں -

(۴) منصور حلاج کو پھانسی دی گئی تھی ؟ -

مشہور ہے کہ منصور حلاج کو پھانسی دی گئی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے اس کو سزا دینے کے لئے پہلے کوڑے مارے گئے پھر گردن اڑا دی گئی -

(ماہنامہ معارف ج ۵۲ نمبر ۳ ستمبر ۱۹۴۳ء بحوالہ تاریخ خطیب ج ۸ صفحہ ۱۴۱)